ڈاکٹر پروین کلوؔ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

گورکی، چیخوف اور سعادت حسن منٹو: ایک تجزیاتی مطالعہ

Manto entered the world of literature as a translator, later becoming one of the greatest short story writers of all time in Urdu. He did not only transferred French and Russian fiction in Urdu but also put in order the magazines of Russian language. These translations had great impact on Manto's writings. The translations of Gorki and Chekhov not only influenced him on technical ground but also on ideological grounds. He observed real life and its realities through Russian fiction. Like Gorki, Manto also presented life directly as it was . As regarding technical regulations and balance, Mantoo selected the description of Chekhov.

سعادت حسن منٹو اردو کا سب سے بے باک باغی اور سب سے بانکا افسانہ نویس تھا۔ فرانسیسی اور روسی ادب نے اسے کافی متاثر کیا۔ منٹو نے کئی فرانسیسی اور روسی ناول اور افسانے ترجمہ کیے تھے۔ ترجموں کے سلسلے میں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سعادت حسن منٹو نے افسانہ لکھنے کا آغاز ترجموں ہی سے کیا تھا۔ ترجمہ کے ضمن میں منٹو کی اہمیت اس بنا پر بنتی ہے کہ اس نے جاسوس اور مہماتی افسانوں کے تراجم کے برعکس حقیقت نگاری پر مبنی روسی افسانوں کو اردو میں منتقل کیا۔ ان افسانوں کا ذائقہ بالکل الگ تھلگ تھا۔ ان تراجم کی صورت میں خود منٹو کی اپنی تربیت بھی ہوگئی چنانچہ جب اس نے خود افسانہ نگاری شروع کی تو یہ تربیت بے حد کام آئی۔ گورکی اور چیخوف کی مانند اسے بھی کم سے کم الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہنے کا سلیقہ آ گیا۔ ''گورکی کی کہانیاں''، ہیوگو کی ''ایک اسیر کی سرگذشت''، آسکر وائلڈ کی ''ویرا''، چیخوف کے ڈراموں کے تراجم منٹو کی ادبی مشقیں تھیں۔ منٹو نے اس تربیتی دور میں جہاں فنی سطح پر ان مشاہیر سے بہت کچھ سیکھا وہاں ان کے نظریات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

> منٹو اپنی ابتدائی تحریروں میں اشتراکی انقلاب سے متاثر تھا۔ اس نے گورکی اور ہیوگو کے تراجم بھی کیے۔ کارل مارکس اور اشتراکی انقلاب پر مضامین بھی لکھے۔ اس کے افسانہ ''شغل'' پر گورکی کا اثر واضح ہے۔ منٹو اپنے ابتدائی دور میں مارکسی خیالات سے کافی مغلوب تھا۔[1]

ان دنوں انقلاب روس کا زور تھا۔ اور انقلاب روس کے اثرات دوسرے ممالک پر بھی مرتب ہو رہے تھے۔ برصغیر کے لوگ بھی غیر ملکی حکمرانوں کے انخلاء کے لیے انقلاب کی باتیں کرنے لگے تھے۔ منٹو بھی طالب علمی کے زمانے میں انقلاب روس سے متاثر تھا۔ ابتداء میں باری علیگ کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ منٹو جو تعلیم سے بھاگا ہوا تھا۔ چپکے چپکے سے روسی ادب کے مطالعے سے اپنی ذہنی اور جذباتی تربیت کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے دستوفسکی، چیخوف، ٹالسٹائی، ترگنیف، اور گورکی کا مطالعہ کیا۔

''منٹو پیٹ کی بھوک اور جنس کی بھوک میں نہایت ہی نازک تعلق قائم کرتا ہے، یہ دونوں بھوکیں ایک دوسرے کو متاثر

کرتی رہتی ہیں۔ تاہم منٹو پیٹ کی بھوک کو انسانی عمل کی بنیاد بنا کر مارکس کے نظریہ ضرورت کو انسانی عوامل میں منتقل کر کے وہی نتائج اخذ کرتا ہے جن کی مارکس نشاندہی کرتا ہے۔'' [۲]

اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں منٹو نے روس اور فرانس کے افسانہ نگاروں سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں کیونکہ وہاں کے افسانہ نگاروں کے یہاں اسے زندگی اور اس کی حقیقتیں اپنے اصل روپ میں بے نقاب ملی ہیں۔ ترگنیف اور ٹالسٹائی کے اثرات کے ساتھ ساتھ اس پر گورکی اور چیخوف کے اثرات بہت گہرے ہیں ۔منٹو نے ان افسانہ نگاروں کو نہ صرف بغور پڑھا بلکہ ان کے تراجم بھی کیے۔ اس لیے ان کی حقیقت نگاری نے منٹو کو براہ راست متاثر کیا ہے۔ آگے چل کر منٹو نے جو افسانے لکھے تو ان پر ان افسانہ نگاروں کے رنگوں کی جھلک اس کے فن میں بھی نظر آتی ہے۔ منٹو کے یہاں حقیقت نگاری اس کی تندی تیزی اور تیکھے پن سے پہچانی جاتی ہیں۔

منٹو کی حقیقت نگاری کچھ تو زندگی کے شدید احساس اور صحیح شعور کا نتیجہ ہے اور کچھ فرانس اور روس کے بعض حقیقت پسند افسانہ نگاروں کے گہرے اثرات بھی اس میں شامل ہیں۔ منٹو زندگی اور اس کے مختلف شعبوں سے قریب رہا ہے۔ اس نے ان میں سے ہر ایک میں گہری دلچسپی لی۔ اس کی ایک ایک بات کو اس نے شدت سے محسوس کیا ہے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح زندگی کی تمام حقیقتیں بے نقاب ہوگئی ہیں۔'' [۳]

روسی افسانے میں حقیقت نگاری کے جو مختلف روپ ملتے ہیں ان کے اثرات منٹو کے فن پر بڑے گہرے ہیں۔ چیخوف اور گورکی سے خاص طور پر وہ متاثر ہوا ہے۔ گورکی کے یہاں زندگی کے نظام اقدار کا جو واضح اور گہرا شعور ملتا ہے۔ وہ منٹو کے ہاں نسبتاً کم ہے۔ اسی لیے وہ گورکی کے مقابلے میں چیخوف کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ گورکی کے یہاں زندگی کا تجزیہ اور چیخوف کے یہاں اس کی عکاسی ہے۔ منٹو کا ایک افسانہ ''شغل'' جو میکسم گورکی کی یاد میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے گورکی کے مشہور افسانے "Twenty Six men and a girl" کی تکنیک استعمال کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ اس حقیقت کے اظہار میں گورکی سے کہیں زیادہ چیخوف کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس میں وہ سادگی اور دھیما پن مخصوص ہے جو چیخوف کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ گہرائی نشتریت اور تیکھا پن نہیں جس سے گورکی کی حقیقت نگاری پہچانی جاتی ہے۔

منٹو نے طوائفوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں لکھا ہے اور جن میں اس نے ان حقیقتوں کو واضح کیا ہے کہ طوائف انسانی زندگی کے خوش نما چہرے پر ایک بدنما داغ ہے۔ وہ ایک ایسا ناسور ہے جو سال ہا سال سے رس رہا ہے۔ اس ناسور کو دکھاتے ہوئے منٹو نے طوائف کو ایک انسانی مخلوق کی طرح دیکھا ہے۔ اسی لیے وہ اس کی مسرتوں' اس کے غموں' اس کی حسرتوں' اس کی ناکامیوں اور اس کی مایوسیوں کے تمام پہلوؤں کو بے نقاب کرتا ہے۔ منٹو کے ایسے افسانوں کو پڑھ کر طوائف سے ہمدردی اور غلط نظام اقدار سے گھن اور نفرت کا احساس ہوتا ہے اور یہیں سے منٹو کی کامیابی کی حد شروع ہوتی ہے۔ ''ہتک''، ''خوشیا'' ''کالی شلوار''، ''پیچان'' اس رجحان کے اچھے نمونے ہیں:

منٹو کے فن میں عصری زندگی کی صداقتوں کو ان کے صحیح پس منظر کے ساتھ ٹھوس پیکروں میں تبدیل کر دینے کی زبردست طاقت ہے۔ منٹو ادبی دنیا میں ایک مترجم کی حیثیت سے داخل ہوئے اور اپنی ذہانت و صلاحیت کے بل بوتے پر صف اول کے افسانہ نگاروں میں اپنے لیے جگہ بنا لی۔ ان کے ابتدائی افسانوں پر روسی افسانہ نگار چیخوف اور گورکی کے اثرات ہیں۔ ادبی وجدان اس کے خول کو توڑ کر خیال انگیزی اور انسانی کش مکش کی نئی دنیائیں نظروں کے سامنے لاتا ہے۔ اس نوع کی بہترین مثال اس کا افسانہ ''سڑک کے کنارے'' ہے۔ [۴]

منٹو کی دنیا گناہ اور گندگی کی دنیا ہے۔طوائفوں' ان کے دلال' شرابیوں' ان کے گاہکوں' بدکار عورتوں' بدمعاش مردوں کی تعفن آمیز دنیا لیکن یہ غلاظت تو خود انسانی اقدار کی کجروی کے غسل خانے سے بہتی ہے۔ یہ سب منٹو کے اردگرد کی جنسی اور گناہ آلود زندگی کی بے بس کٹھ پتلیاں ہیں جن کی ڈور کہیں اور سے کھینچی جاتی ہے:

> منٹو کتنا بڑا باغی اور انقلابی تھا' اس کے سینے میں برطانوی سامراج کے خلاف کیسا لاوا ابل رہا تھا' سرمایہ دارانہ نظام اور طبقاتی استحصال سے اسے کتنی نفرت تھی' غربت اور افلاس کے خاتمے کے لیے اس کے ذہن میں کیسے کیسے منصوبے تھے' معاشی آزادی کا کیسا عاشق اور انسانیت کا وہ کتنا بڑا دوست تھا' اس کا اندازہ فی الواقع منٹو کے ابتدائی افسانوں ہی سے ہوتا ہے۔ ان کے اندر واقعی ایک بھگت سنگھ چھپا ہوا تھا۔فرق یہ ہے کہ بھگت سنگھ انقلاب اور بغاوت کے جرم میں ایک ہی دفعہ میں سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ سعادت حسن منٹو عمر بھر سولی پر لٹکا رہا۔[۵]

منٹو انسان اور کائنات کے رشتوں کو سمجھنے' سماجی زندگی کی تبدیلیوں پر سوچنے اور تہذیبی اقدار کی شکست و ریخت کے اسباب پر توجہ دینے کے قائل اور عادی ہیں۔

> منٹو نے اپنی ابتدائی زندگی میں روسی اور فرانس کے افسانہ نگاروں سے گہرے اثرات قبول کیے کیونکہ وہاں کے افسانہ نگاروں کے یہاں اسے زندگی اور اس کی حقیقتیں اپنے اصل روپ میں بے نقاب ملی ہیں۔چیخوف' ترگنیف' ٹالسٹائی' بالزاک' موپساں کے اثرات گہرے ہیں۔منٹو نے ان افسانہ نگاروں کو بہت غور سے پڑھا' ان افسانہ نگاروں کے بہت اچھے ترجمے بھی کیے اس لیے ان کی حقیقت نگاری نے منٹو کو براہ راست متاثر کیا ہے اور پھر آگے چل کر خود افسانے لکھے۔ ان افسانہ نگاروں کے رنگوں کی جھلک خود اس کے فن میں پیدا ہوگئی ہے۔منٹو کے ہاں حقیقت نگاری تندی اور تیزی ہے جبکہ چیخوف' ٹالسٹائی کی حقیقت نگاری میں دھیما پن ہے۔[۶]

منٹو نے افسانوں کے مختلف اور متنوع موضوعات کی بنیادیں انسانی زاویہ نظر پر استوار کی ہیں۔''نیا قانون'' یوں دیکھئے تو ایک کوچوان استاد منگو کے بعض خیالات اور چند حرکات وسکنات سے متعلق کہانی ہے مگر اسے پیش کرتے ہوئے منٹو نے اس زمانے کی سیاسی حالت کی ایک تصویر بھی بنائی ہے اور سیاسی حالت نے جس کشمکش کو پیدا کیا ہے اس کشمکش کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔منٹو کا افسانہ ''نیا قانون'' خالص انقلابی ہے اور انقلاب روس سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔مثال ملاحظہ ہو۔

> منگو کوچوان اکثر کہتا ہے' قسم ہے' بھگوان کی ان لاٹ صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے تنگ آ گیا ہوں۔ جب کبھی ان کا منحوس چہرہ دیکھتا ہوں رگوں میں خون کھولنے لگتا ہے کوئی نیا قانون دانون بنے تو ان لوگوں سے نجات ملے۔۔۔ نئے قانون کے ساتھ استاد منگو کے دل میں صرف غلامی سے چھٹکارا ہی کا خیال نہیں آیا۔ بلکہ اس کے بعد وہ غریبوں کا خون نہیں چوس سکیں گے۔غریبوں کی کھٹیا میں گھسے ہوئے کھٹمل ۔نیا قانون ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہو گا۔اور پھر یہ بات اس کے ذہن میں آئی کہ اس کے بعد روس کا بادشاہ بھی کچھ نہ کچھ ضرور کر کے رہے گا۔[۷]

اس مختصر سی کہانی میں کئی حقیقتوں کا اظہار ہے۔ ہندوستانی عوام کی انگریز سے نفرت' تبدیلی کی خواہش' آزاد ہونے کا خیال' سرمایہ داروں کی دست درازی' اشتراکی نظام کی استواری' تعلیم یافتہ لوگوں کی بے کاری' سب اپنی اپنی جگہ پر حقیقتیں ہیں منٹو نے ان کی ترجمانی بڑی خوبی سے کی ہے۔

''نیا قانون'' میں ایک روز منگو کوچوان کو خبر ملتی ہے کہ نیا قانون بننے والا ہے جس سے ہندوستان کو آزادی مل جائے گی۔ استاد منگو نے لینن اور کارل مارکس کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں۔لیکن وہ روس والے بادشاہ' وہاں کے قانون اور دوسری نئی چیزوں کو

پسند کرتا تھا۔ اس نے ہندوستان میں ہونے والی تبدیلیوں کو روس والے بادشاہ کے تخیل سے وابستہ کر دیا ہے۔ نئے قانون کا وقت آ گیا ہے اور استاد منگو کے دل میں نئی امنگوں نے کروٹ لی۔ اب وہ گوروں سے نہیں ڈرے گا:

> وہ بے مسرور تھا ۔ خاص کر اس وقت اس کے دل کو بہت ٹھنڈک پہنچتی۔ جب وہ خیال کرتا کہ گوروں۔۔۔سفید چوہوں (وہ ان کو اسی نام سے یاد کیا کرتا تھا) کی تھوتھنیاں نئے قانون کے آتے ہی بلوں میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔[۸]

منٹو کے افسانہ ''شغل'' میں کچھ مزدور ہیں جو صبح سے شام تک ایک پہاڑی پر کام کرتے رہتے ہیں۔ روزانہ بارہ گھنٹے کام کرتے رہنا ان کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسی طرح وہ اپنا پیٹ پال سکتے ہیں۔ ایک دن اس سڑک پر ایک موٹر آئی اس میں ایک نوجوان نکلا اور وہ ستو چمار کی لڑکی ''رام وئی'' کو لے کر گم ہو گیا۔ بعض مزدور اس واقعہ کی تہہ تک پہنچ گئے' بعضوں نے اس سے چشم پوشی کی۔ وہ پنڈت جس نے رام وئی کو اس نوجوان کے ساتھ موٹر میں بٹھا دیا تھا اس نے مزدوروں کے اضطراب کو دیکھ کر صرف یہ بات بتائی کہ میں نے ان سے دریافت کیا ہے کوئی بات نہیں وہ لڑکی کو ذرا موٹر کی سیر کروانا چاہتے تھے۔ انسپکٹر صاحب کے مہمان ہیں اور ڈاک بنگلے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دور لے جا کر چھوڑ دیں گے۔ امیر آدمی ہیں۔ ان کے شغل اس قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر یہ کام کرنے والے دیر تک خدا معلوم کن گہرائیوں میں غرق رہے کہ دفعتاً فضل کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ دو مرتبہ زور سے تھوک کر اس نے اپنے ہاتھوں کو گیلا کیا اور بیلچے کو سنگریزوں کے ڈھیر میں گاڑتے ہوئے کہا۔ اگر امیر آدمیوں کے یہی شغل ہیں تو ہم غریبوں کی بہو بیٹیوں کا اللہ بیلی ہے۔ جیسا کہ اس افسانے کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایسی باتیں ایک غلط سماجی نظام میں عجیب نہیں ہیں۔ منٹو اس افسانے میں اسی حقیقت کو پیش کرنا چاہتا ہے۔ اس کے اظہار میں نشتریت نہ سہی لیکن سماجی زندگی کے ایک تاریک پہلو کا اظہار تو ہے۔ اسی لیے یہ حقیقت نگاری ایک حد تک گورکی سے آئی ہے ۔لیکن اس حقیقت نگاری میں چیخوف کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔ کیونکہ اس میں وہ سادگی اور دھیما پن ہے جو چیخوف کے ساتھ ساتھ مخصوص ہے۔

''موم بتی کے آنسو'' میں ایک معصوم بچی ہے جس کی افلاس زدہ اندھیری کوٹھڑی میں اس کی بیوہ ماں ہے۔ جس کی سرگوشیوں میں افلاس کو وقتی طور پر ٹالنے والے گناہ کی سرسراہٹ ہے۔ مگر ان میں یہ تڑپا دینے والی آرزو بھی ہے کہ یہ قرض اس کی زندگی میں ہی چکا دیا جائے۔ اس کی بیٹی تک یہ قرض سود سمیت منتقل نہ ہو جائے۔ جب کہ ''دیوالی کے دیئے'' میں بظاہر غیر مرتب تصویروں سے طبقاتی کشمکش کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ طبقاتی کش مکش کا تصور روسی ادب کی وساطت سے ہی اردو ادب میں آیا ہے:

> سڑک کے کنارے'' میں جب ان ناانصافیوں اور تضادات کو دیکھ کر گڈریے کا معصوم بیٹا دہائی دیتا ہے۔ شیر آیا شیر آیا' دوڑو' تو اسے کہا جاتا ہے کہ تم سازشی ہو' فتنہ کا لمسٹ ہو' کمیونسٹ ہو' غدار ہو' ترقی پسند ہو۔ سعادت حسن منٹو پر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہ ملحد ہے۔ یہ بے دین ہے۔ فتنہ پردازوں کا ایجنٹ ہے۔ اس کو فوراً زنداں میں ڈال دو۔[۹]

منٹو کے افسانہ ''نطفہ'' کے اندر بیان کیے جانے والے اشتراکی خیالات مارکسی فکر اور روسی ادب سے آئے۔ منٹو اپنے قلم سے انقلاب چاہتے ہیں۔ جب صادق خان کو صوبہ بدر کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ بڑا انقلاب چاہتا تھا۔ جو ظلم و ستم کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے' وہ چاہتا تھا کہ سرمائے کی لعنت سے دنیا آزاد ہو جائے' دنیا آزاد نہ ہو تو کم از کم اس کا صوبہ آزاد ہو جائے۔ آزادی کا تصور روسی انقلاب کے اثرات سے آیا کیونکہ اثرات سے پہلے ایسا تصور ادب میں موجود نہیں تھا:

> آتش پارے'' منٹو کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ ان افسانوں میں منٹو کا انداز جذباتی ہے۔ ان پر روسی حقیقت پسند

ناول اور افسانہ نگاروں کا واضح اثر ہے۔ ان میں غریب اور امیر کے تضاد اور بعض دوسری حقیقتوں کو تقریر نما افسانوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں کہیں کہیں پریم چند کی جذباتی حقیقت نگاری کا انداز بھی ملتا ہے۔[۱۰]

''شغل''، ''اس کا پتی'' اور ''نعرہ'' پر گورکی کا اثر نمایاں ہے۔ ''چوری''، ''قاسم'' اور ''گرم سوٹ'' میں چیخوف کے اثرات تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ''آتش پارے'' منٹو کے افسانے اور ''دھواں'' میں منٹو روسی حقیقت نگاروں کے اثرات سے مغلوب ہے۔ منٹو اردو افسانے کا معمار تھا۔ منٹو اپنے افسانوں میں انسان کے تصور کا ادراک مختلف طریقے سے کرتا ہے۔ وہ ڈی۔ ایچ۔ لارنس اور مارکس کے بعض نظریات سے زیادہ قریب ہے۔

> اردو افسانے کی روایت میں منٹو پہلا افسانہ نویس ہے جس نے اپنے عہد کے تمام اداروں اور مروجہ اضافی قدروں کے خلاف بغاوت کی۔ ان سے پیدا ہونے والے دوغلے پن کو عریاں کیا اور انسان کے لیے ان شرائط حیات کا مطالبہ کیا جو اس زمین پر زندہ رہنے کا موقعہ دیں۔ منٹو اپنے عہد کے بنیادی تضادات کا ادراک اپنے افسانوں کے ذریعے کرتا ہے۔ منٹو کی دنیا تضادات کی دنیا ہے۔ اس کے کردار ایک اسفل زندگی گزارنے پر مجبور ہیں کیونکہ سب کے سب ضرورت کے حصار میں ہیں۔ منٹو نے اپنے عہد کے انسان کی ذات اور شخصیت کی تشکیل کی ہے۔ منٹو ترقی پسندوں کو صلوٰتیں دیتا ہوا بھی مارکس کے نظریہ ضرورت کو انسان کی شخصیت کا بنیادی محرک قرار دیتا ہے۔ یہی ضرورت انسانوں کو انسان کے استحصال پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی انسان کو عصمت فروشی' مذہب فروشی اور منافقت کی ترغیب دیتی ہے۔ اس طرح بلواسطہ طریقے سے منٹو اس نظام کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ جو انسان کی تحقیر کرتے ہوئے اس شے میں منتقل کرنے کا رجحان رکھتا ہے[۱۱]

چیخوف کی ''ڈارلنگ'' بھی منٹو کے ہاں ''جانکی'' بن جاتی ہے اور نچلے طبقے کا وہ سیدھا سادا کردار جو بیدی کے ''رحمان کے جوتے'' میں ہے۔ منٹو کے ہاں ''نیا قانون'' کا استاد منگو بن جاتا ہے۔ چیخوف اور گورکی کی سی حقیقت نگاری منٹو کے ہاں پائی جاتی ہے۔ منٹو نے پہلے پہل رسالوں کے روسی اور فرانسیسی نمبر مرتب کرتے ہوئے مغربی افسانے کے اثر کو قبول کیا۔ چیخوف کا کردار ''اینا'' صرف ایک ہی چیز دیکھ رہی تھی ''زندگی''۔ اور یہ ''زندگی'' منٹو کے ہاتھوں ڈھل کر افسانے بن جاتی ہے۔ منٹو کے افسانے ''کھول دو'' میں اس نیم مردہ لڑکی سے ''کھول دو'' کے لفظ پر جو غیر شعوری حرکت سرزد ہوتی ہے اس سے اس کی روح پر انتہائی دہشت زدگی کا اظہار ہوتا ہے:

> نامکمل انسان کا تصور روحانی انسان کے تصور سے کچھ زیادہ مختلف نہیں' فرق صرف یہ ہے کہ یہاں مذہب یا الوہی قوت کا کوئی دخل نہیں۔ انسان کے مذہبی یا روحانی تصور میں انسان اپنی فطرت میں حیوان سے قریب ہے۔ وہ مکمل انسان اسی وقت کہلا سکتا ہے۔ جب وہ اپنی فطرت پر قابو پا کر اپنے آپ سے اونچا ہو جائے اور اس فطری انسان کے اندر سے ایک روحانی وجود باہر آئے۔ دانتے اور ٹالسٹائی وغیرہ کے ہاں یہی روحانی تصور تھا۔[۱۲]

منٹو موت کے مقابلے میں زندگی تھا۔ منٹو کے یہاں رنڈیاں' دلال اور اوباش سماج کے ناسور نہیں' سماج کی گندگی نہیں' سماج کے ظلم کی علامات نہیں' وہ منفی نہیں' مثبت کردار ہیں۔ منٹو نے بے حد معمولی انسانوں کا انتخاب کیا ہے۔ منٹو جنسی تجربہ کے ذریعہ آج کے آدمی کو فطرت کی بے پناہ طاقتوں کے روبرو لا کھڑا کرنا چاہتا ہے۔

اگرچہ منٹو نے اپنی توجہ جنس کی طرف مبذول کر دی اور ''بو''، ''دھواں''، ''کالی شلوار''، ''ٹھنڈا گوشت'' وغیرہ کی وجہ سے مشہور ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے ''موذیل''، ''نیا قانون''، ''ہتک'' اور ''بابو گوپی ناتھ'' وغیرہ شاہکار افسانے ہیں۔ ان جیسے

افسانوں میں شاید ہی کوئی کردار ہوس کی جھلک زندگی کے مختلف شعبوں میں نہ ہو:

> سعادت حسن منٹو کے افسانوں کا موضوع ایک طرف تو وہ نوجوانوں کی جنسی الجھنوں' طوائف کی زندگی اور فلمی ماحول کے بارے میں لکھتے ہیں تو دوسری طرف ہندوستان کے سیاسی حالات و معاملات کو موضوع بناتے ہیں۔ طبقاتی تقسیم اور مزدور و سرمایہ دار کی کشمکش پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ منٹو کی بے باکی جو عریانیت تک جا پہنچتی ہے ہمیشہ سے متنازعہ رہی ہے اور قارئین کی اکثریت نے اس پر شدید اعتراضات کیے ہیں۔ تاہم ان کی فنکارانہ عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی حقیقت نگاری کا یہ عالم ہے کہ زندگی کی پردہ پوش حقیقتوں کو بھی کھلم کھلا بے نقاب کر دینے سے قطعاً گریز نہیں کرتے۔ ان کی جزئیات نگاری بھی خوب ہے۔ کردار نگاری میں وہ ایمائیت کا بہت سہارا لیتے ہیں۔ منٹو کی زبان تیز' تلخ' شوخ اور سادہ ہے۔[۱۳]

منٹو کے موضوعات' کلرک' مزدور' طوائف' رنڈ' خرابات اور زاہد پاکباز' کشمیر یا بمبئی' دہلی' لاہور' فلم اسٹوڈیو' کالج' بازار' گھر' ہوٹل' چائے خانے' بچے' بوڑھے' جوان' عورتیں' مرد اور ان سب کی ذہنی الجھنیں اور ان ساری چیزوں سے بڑھ کر جنس اور اس کے گونا گوں مظاہر ہیں۔ منٹو جزئیات نگاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ منٹو روسی ادیبوں کی طرح ہر موضوع پر مکمل عبور رکھتے ہیں اور ایک ایک چیز کے بارے میں بڑی گہرائی کے ساتھ لکھتے ہیں۔ منٹو نے کسی واقعے کی مصوری کرنے کسی ماحول یا فضا کا مجموعی تاثر قائم کرنے یا کسی کردار کی ظاہری ہئیت اور باطنی کیفیات بنانے کے لیے جو باتیں بیان کی ہیں ان میں کبھی چھوٹی چیز اور چھوٹی بات کو چھوٹا سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا۔

> منٹو کے افسانوں کا ایک اہم وصف کردار نگاری ہے۔ انہوں نے اردو افسانے کو جیتے جاگتے اور متحرک کردار دیئے ہیں۔ بابو گوپی ناتھ' ٹوبہ ٹیک سنگھ' محمد بھائی' موذیل' سوگندھی ساردا' ممی' نیلم' جانکی' زینت یہ سب کردار موجودہ دور کے تضادوں کی پیداوار ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کے وہ افراد ہیں جو زندگی کے سخت مسائل و مصائب میں محصور ہیں۔ اور اپنی اہلیت رکھتے ہوئے بھی حقارت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔[۱۴]

منٹو کے افسانے یقیناً دلچسپ ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب ان کی تکنیک ہے جس پر چیخوف کا کافی اثر ہے۔ چیخوف کے افسانوں کی طرح منٹو کے افسانوں کا انجام غیر متوقع ہوتا ہے اور قاری افسانہ ختم کر کے تعجب میں کھوسا جاتا ہے۔ ''دھواں'' ''پھاہا'' اور ''بلاؤز'' وغیرہ میں واقعہ نگاری کے حوالے سے روسی ادب سے متاثر ہیں اور خاص طور پر گورکی سے۔ منٹو کے افسانوں میں حقیقت نگاری بھی روسی ادب سے ہی آئی۔ منٹو کے افسانے بے باکانہ حقیقت نگاری اور فنی ضبط و توازن کی بہترین مثالیں ہیں۔ یہی خوبیاں روسی ادیبوں کے یہاں بھی ہیں۔ منٹو کے یہاں سماج کے نچلے طبقے کے عموماً ایسے کرداروں کی کثرت ہے جو سماج میں اپنی اہمیت تو رکھتے ہیں لیکن عزت نہیں رکھتے۔ گورکی کے ہاں بھی ایسے ہی کردار ہیں۔ گورکی اپنے عہد کا صرف ناقد نہیں انقلابی بھی تھا' اور معاشرتی رویوں کا گہرا شعور بھی رکھتا تھا۔

> انقلابی حقیقت نگاری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ادب کا ہیرو وہی ہے جو سماج اور زندگی کا ہیرو ہے۔ ہم تاریخ کے اس دور میں ہیں جب پرانا سماج مر رہا ہے اور نئے سماج کی تعمیر ہو رہی ہے۔ پرانے سماج کے رکھوالے نہیں جن کی زندگی کا دارومدار ظلم اور جبر پر ہے بلکہ نئے سماج کے معمار اصل ہیرو ہیں۔ جب وہ ادب میں آتے ہیں تو ادب زیادہ جاندار اور خوبصورت ہو جاتا ہے۔ منٹو کی کہانیوں کے ہیرو مسخ شدہ انسان ہیں۔ اس لیے وہ نمائندہ حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ زندگی کے ارتقا کی نمائندگی نہیں کر سکتے۔[۱۵]

منٹو کے قلم کی زد سے عالم و عاصی، مذہبی پیشوا، حاکم رعایا، بوڑھا جوان، غریب امیر کوئی بھی بچ نہیں سکا۔ وہ زندگی کے ہر پہلو پر لکھتا ہے۔ منٹو معاشرے کی برائیوں کو لگی لپٹی رکھے بغیر اس طرح نمایاں کر دیتا ہے کہ اس کے تمام عیوب بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ وہ استحصال اور جارحیت کے خلاف مصلحتوں کا جھنڈا نہیں اٹھاتا بلکہ کھلی بغاوت کا اعلان کرتا ہے ۔ اور اپنی کہانیوں میں اقتصادی سماجی سیاسی اور مذہبی ناہمواریوں، منافقتوں، استحصالی ہتھکنڈوں، ناجائز ذرائع سے حصول منفعت کے تمام حربوں کے خلاف اپنا طنز اور نشتر اس طرح چلاتا ہے کہ ٹیسوں کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچنے لگتی ہے اور کانوں سے اتر کر ہمارے ضمیر میں داخل ہو جاتی ہے۔ منٹو کو غلامی سے شدید نفرت تھی۔ منٹو کے افسانوں کی خاصی تعداد سیاسی موضوعات پر مشتمل ہے ''نیا قانون، ماتمی جلسہ، شغل، نعرہ، موم بتی کے آنسو، سوراج کے لیے، ان افسانوں میں سیاست کو طنز کی کاٹ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ کہیں کہیں کرداروں میں ہندوستان کے سیاسی مسائل پر براہ راست تبصرے اور تنقید کا رنگ ملتا ہے۔ منٹو معاشرے کا باغی ہے اس کی بغاوت یقیناً ایک انقلابی کی بغاوت ہے۔ منٹو کے افسانوں میں گورکی اور چیخوف کی سی حقیقت نگاری اور اویناف کی طرح جذباتیت بھی آ جاتی ہے۔

طوائف ایک عورت ہونے کے باوجود ایک طوائف ہوتی ہے۔ حالات اسے ایسا کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ اس سے بڑی حقیقت اور کیا ہوسکتی ہے منٹو طوائفوں کی زندگی، ان کے جذبات، معاشی حالات اور ماحول کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے تو گویا ایک غلط سماجی نظام اقدار کے خلاف احتجاج کرتا ہے جس نے صدیوں سے طوائفوں کو باقی رکھا منٹو کے یہاں محبت بھی حقیقت پسندانہ انداز میں سامنے آتی ہے۔ منٹو کے ہاں طوائف کا کردار اور اس کی داخلی کش مکش زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ منٹو کے ہاں طوائف اور عورت کا تصادم ایک سطح تک ابھرا ہوا ملتا ہے۔ منٹو نے طوائف کے پیش منظر کو بہت اہمیت دی ہے۔

> منٹو فن کار کے آزادی اظہار کی راہ کی ہر رکاوٹ کو نیست و نابود کرنا چاہتا تھا۔ وہ غلامی کی ہر صورت سے نفرت کرتا تھا۔ حکومت اور رعایا کے باہمی اختلاط سے (جبری اختلاط کہنا صحیح ہوگا) بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن بڑے سیفٹی ایکٹ اور آرڈی نینس قسم کے جن کی شکل و شباہت حکومت سے ملتی ہے نہ رعایا سے۔[۱۶]

منٹو کی کہانی ''مس ٹین والا'' نفسیاتی کیس ہسٹری ہے، نفسیاتی افسانہ اسی وقت آرٹ بنتا ہے جب وہ کیس ہسٹری کی بوالعجبیوں سے بلند ہو کر اقدار سے بحث کرتا ہے اور انسانی روح کے ڈرامے کو پیش کرتا ہے۔ یہی بات دستوفسکی کو دنیا کا سب سے بڑا نفسیاتی ناول نگار بناتی ہے۔ انسانی نفسیات کی پیش کش ہمارے کئی افسانوں میں ہوئی ہے۔ اور جنسی نفسیات کو منٹو اور عصمت چغتائی نے بھی کامیابی سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ منٹو کے افسانوں میں ''دھواں''، ''بلاوز'' اور ''ٹھنڈا گوشت'' وغیرہ جنسی نفسیات کی کامیاب مثالیں ہیں اور عورت کے جنسی جذبے، جنسی اٹھان اور ارتقا اور نفسیات کو منٹو نے بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ منٹو کی عورت لالچی نہیں بے لوث ہے اسی سبب سے غیر معمولی بن جاتی ہے ۔ منٹو کی ''موذیل'' تمام تر سماجی قدروں کی باغی ہے۔ اسے مذہب و اخلاق کی قدروں سے کوئی واسطہ نہیں۔ بلکہ اس میں انسان دوستی کی وہ شمع روشن ہے جو انسان کو انسان سے ملاتی ہے۔ ملک کی معاشرت میں تنگ خیالی پر پورا وار کرنے کے لیے بحیثیت ہتھیار منٹو کے بعض افسانے بہت ہی پر اثر ہیں۔

۱۹۴۷ء کے فسادات، ۱۹۶۵ء کی جنگ اور زوال ڈھاکہ پر اردو افسانے دو طرح کے ملتے ہیں۔ پہلی قسم وہ جہاں ''ڈاکٹر ژواگو'' کی طرح فرد بھیانک جدل میں گھرا ہوا ہے اس کا کوئی عمل اپنا نہیں۔ حالات کا ریلا اسے جہاں چاہے گھسٹتا ہوا اپنے ساتھ بہا لے جائے۔ وسیع تر انسانی جدل کی شدت خود مختار ہے۔ منٹو کے دو افسانے ''ٹھنڈا گوشت'' اور ''شریفین'' احمد ندیم قاسمی کا ''پیر مشیر سنگھ'' اشفاق احمد کا ''گڈریا'' حیات اللہ انصاری کا ''شکر گذار آنکھیں'' خدیجہ مستور کا ''مینوں لے چلے بابلا'' یہ افسانے اس ذیل میں نمایاں ہیں۔ منٹو کی افتاد ذہنی اسے بالآخر ایک خاص سمت میں لے گئی مگر اس نے حقیقت نگاری اور سماجی طنز کا گُر گورکی سے سیکھا۔

سعادت حسن منٹو پر روسی ادیبوں کا بہت اثر رہا ہے۔ انہوں نے گوگول' ترگنیف' چیخوف اور گورکی کے افسانوں کا ترجمہ کرنے کے علاوہ سماج کے اس طبقہ کو اپنے افسانوں کا مرکز بنایا ہے۔ جسے طوائف کہتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں جنسی مسائل کو فوقیت حاصل ہے۔منٹو اپنے افسانوں میں برطانوی سامراج' سرمایہ دارانہ نظام اور طبقاتی استحصال کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ غربت اور افلاس کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے معاشی نظام کو بدلنا چاہتے تھے۔ سعادت حسن منٹو ایک ایسے حقیقت نگار ہیں جو روسی ادیبوں کی طرح زندگی کو براہ راست پیش کرتے ہیں۔منٹو کا انداز بیان سادہ اور چیخوف کی طرح بیانیہ ہے۔ اورمنٹو کے انداز بیان اور ہئیت پر گورکی کا بھی کافی گہرااثر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انیس ناگی' سعادت حسن منٹو' فیروز سنز لاہور' ۱۹۸۹ء' ص ۳۸

۲ عظمت اللہ قریشی' متاع نقد ونظر' کتب خانہ انجمن ترقی اردو لاہور' ۱۹۸۱ء ص ۴۰۴

۳۔ کے کے کھلر' اردو ناول کا نگارخانہ' فینس بکس لاہور' ۱۹۹۱ء' ص ۶۶

۴۔ محمد یوسف ٹینگ' سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری' مشمولہ' افسانہ روایت اور مسائل' مرتبہ! گوپی چند نارنگ' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ' ۱۹۸۶' ص ۲۶۱

۵۔ فرمان فتحپوری' ڈاکٹر' اردو افسانہ اور افسانہ نگار' الوقار پبلی کیشنز لاہور' ۲۰۰۰ء' ص ۱۳۲

۶۔ ممتاز شیریں' منٹو کی فنی تکمیل' مشمولہ نقوش منٹو نمبر' محمد طفیل' ادارہ فروغ اردو لاہور' ۱۹۵۵ء' ص ۲۷

۷۔ انیس ناگی' سعادت حسن منٹو' ایک مطالعہ' مقبول اکیڈمی لاہور' ۱۹۹۱ء' ص ۸۲

۸۔ سعادت حسن منٹو' نیا قانون' مشمولہ ناقابل فراموش افسانے' مرتب ضیاء ساجد' ابوالمعالی پرنٹرز لاہور' س ن' ص ۷۹

۹۔ انوار احمد ڈاکٹر' اردو افسانہ تحقیق وتنقید' بیکن بکس گلگشت ملتان' ۱۹۸۸ء' ص ۱۹۹

۱۰۔ انیس ناگی' سعادت حسن منٹو' فیروز سنز لاہور' ۱۹۸۹ء' ص ۵۱

۱۱۔ عظمت اللہ قریشی' متاع نقد ونظر' ص ۴۰۴

۱۲۔ ممتاز شیریں' منٹو کا تغیر' ارتقا اور فنی تکمیل' مشمولہ افسانہ روایت اور مسائل' ۱۹۸۶ء' ص ۱۹۸

۱۳۔ عطش درانی' اردو اصناف کی مختصر تاریخ' مکتبہ میری لائبریری لاہور' ۱۹۸۶ء' ص ۱۲۰

۱۴۔ سعادت حسن منٹو' منٹو باقیات' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۹۸ء' ص ۵۲۱

۱۵۔ علی سردار جعفری' ترقی پسند ادب' مکتبہ پاکستان لاہور' ۱۹۵۶ء' ص ۲۶۹

۱۶۔ انوار احمد' ڈاکٹر' اردو افسانہ تحقیق وتنقید' بیکن بکس ملتان' ۱۹۸۸ء' ص ۲۴۴